ہمیں یہ عہد اور عزم کر لینا چاہئے کہ موجودہ مالی سال میں ہمارا قدم ہر لحاظ سے آگے ہی آگے بڑھتا چلا جائے گا

(خطبہ جمعہ فرمودہ ۱۹؍مئی ۱۹۷۲ء بمقام مسجد اقصیٰ۔ ربوہ)

تشہّد وتعوّذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد حضور انور نے درجِ ذیل آیت کی تلاوت فرمائی:-

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ

(البقرۃ۔۲۰۲)

پھر حضور انور نے فرمایا:۔

گذشتہ جمعہ کے خطبہ میں مَیں نے بتایا تھا کہ نامساعد حالات کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اپنی اِس پیاری جماعت کو مالی قربانیوں میں پیچھے رہنے سے بچا لیا ہے۔ چنانچہ جو مجوزہ بجٹ تھا یعنی یہ اندازہ کہ جماعت دورانِ سال اِس قدر قربانی دے گی، اس سے زیادہ قربانی دوستوں نے پیش کی۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے اس لئے ہمارے دل اس کی حمد سے لبریز ہیں۔

اب ہمیں یہ عہد اور عزم کرنا چاہئے کہ جس مالی سال میں ہم ابھی ابھی داخل ہوئے ہیں، اس میں بھی ہمارا قدم کسی لحاظ سے پیچھے نہیں رہے گا بلکہ آگے ہی آگے بڑھتا چلا جائے گا۔

مَیں نے یہ بھی بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کی عطا میں سے اس کے حضور پیش کرنے کا جو مطالبہ ہے، ہماری مالی قربانی تو اس کا ایک چھوٹا سا جزو ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اُس نے انسان کو جتنی بھی قوتیں اور صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں، وہ اپنی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو خدا کی راہ میں خرچ کرے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان قوتوں اور صلاحیتوں کی

نشو ونما کے لئے جو بھی سامان پیدا کئے ہیں، ان کے متعلق اللہ تعالیٰ کا مطالبہ یہ ہے کہ اُن سب کو میرے حضور پیش کر دو۔ یہ دُنیا کی تمام اشیاء اور اسی طرح اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ جتنی بھی نعمتیں ہیں وہ دراصل مقصود بالذات نہیں۔ وہ تو اس لئے پیدا کی گئی ہیں تا کہ انسان کو جو چار قسم کے مختلف بنیادی قویٰ دیئے گئے ہیں اور بنیادی طور پر چار قسم کی صلاحیتیں اسے عطا کی گئی ہیں، اُن سے تعلق رکھنے والی ہر قوت اور ہر صلاحیت کی صحیح اور کامل نشو ونما ہو سکے۔

غرض ہم نے اپنے مالوں میں سے ایک حصہ خدا تعالیٰ کی راہ میں پیش کیا ہے۔ یہ مال و دولت اللہ تعالیٰ کی عطا ہے، جو اس دُنیا کے عام قاعدہ کی رو سے ملتی ہے۔ گو بعض استثنیٰ بھی ہوتے ہیں لیکن اصولی طور پر اور دُنیوی قاعدہ کے لحاظ سے یہ جو مال کی عطا ہے یہ انسان کو براہ راست نہیں ملتی بلکہ کوشش اور محنت کے نتیجہ میں جب اللہ تعالیٰ کا اس پر فضل نازل ہوتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسے مال اور دولت عطا ہوتی ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے گھر سے تو کچھ نہ لائے۔

اس کا اصولی طور پر ایک مفہوم تو یہ ہے کہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے۔ ہم ماں کے پیٹ سے کچھ نہیں لائے۔ دوسرے اس کا ایک معنی یہ بھی ہے کہ خدا تعالیٰ کی جو عطا کردہ قوتیں ہیں اور جو طاقتیں ہیں مثلاً سمجھ ہے، فراست ہے، تجارت کرنے کی ایک صلاحیت عطا کی جاتی ہے یا زمیندارے کی صلاحیت ہے یا دنیا کے دوسرے کام ہیں جن کے نتیجہ میں دولت پیدا ہوتی ہے۔ چنانچہ انسان کی ساری قوتیں جن کا تعلق اس دُنیوی دولت کے ساتھ ہے اور جن کے نتیجہ میں دولت پیدا ہوتی ہے، ان کی بنیادی چیز یہ ہے کہ محنت کی جائے۔

پس یہ محنت ہی ہے جس سے ہر قوت اور صلاحیت طاقت حاصل کرتی ہے۔ جس طرح انسانی جسم محنت سے طاقت حاصل کرتا ہے اسی طرح دوسری صلاحیتیں بھی محنت سے قوت اور طاقت حاصل کرتی ہیں اور نشو ونما پاتی ہیں۔

غرض یہ محنت ہی ہے جس کے نتیجہ میں دُنیوی حسنات اور نعمتیں ملتی ہیں۔ مثلاً اگر دولت نہ ہوگی تو مالی قربانی نہیں ہوگی اگر علم اور فراست نہیں ہوگی تو دوسروں کو علم سکھانا اور عقل کی باتیں بتانا ممکن نہیں ہوگا۔ اگر اخلاقی قوتوں کی صحیح نشو ونما نہیں ہوگی یا اخلاقی قوتوں کی صحیح

نشو ونما کے لئے محنت نہیں کی جائے گی تو انسان دوسروں کے لئے اچھے اخلاق کا نمونہ پیش نہیں کر سکے گا کیونکہ لوگ اُسے کہیں گے تمہاری اپنی اخلاقی تربیت اور نشو ونما نہیں ہوئی، تم ہمیں کیا بتاؤ گے۔ اگر روحانی طاقتوں کی نشو ونما کے لئے مجاہدہ نہیں ہو گا تو روحانی صلاحیت روحانی ثمرات پر منتج نہیں ہو گی، اس کا کوئی پھل نہیں ملے گا۔ اس کا کوئی نتیجہ نہیں نکلے گا یا اتنا نتیجہ نہیں نکلے گا جتنا نتیجہ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ نکلے۔

پس یہ تمہید ہے۔ مَیں نے اسے مختصراً بیان کیا ہے۔ کیونکہ آج مَیں خطبہ کو مختصر کرنا چاہتا ہوں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ پانچ سات دن سے گرمی لگنے کی وجہ سے میں پھر بیمار ہو گیا ہوں۔ ایک تو میرے خون میں شکر زیادہ ہوگئی ہے۔ دوسرے پانچ سات دن سے اتنی شدید سر درد ہے کہ عمر میں ایسی سر درد کم ہوئی ہے مگر اللہ تعالیٰ نے فضل فرمایا۔ جمعہ کی نماز سے دو چار گھنٹے پہلے یہ درد اچانک غائب ہوگئی لیکن پہلے جو بیماری تھی اس کا اب بھی اثر ہے۔ دراصل خود گرمی میرے لئے ایک بیماری ہے۔ جس طرح نزلہ اور زکام اور کھانسی اور ٹائیفائیڈ اور فلو اور ملیریا اور ہزار قسم کی بیماریاں ہوتی ہیں اسی طرح بعض لوگوں کے لئے گرمی بھی بیماری بن جاتی ہے۔

بہر حال آج میں مختصر خطبہ دینا چاہتا ہوں اور میں بتانا یہ چاہتا ہوں کہ اس زاویہ نگاہ سے (جسے میں نے ابتدا میں مختصراً بیان کیا ہے اور جسے اکثر دوست سمجھ گئے ہوں گے) قربانی کی ماں دراصل محنت ہے۔ اگر آج محنت نہیں کریں گے تو آپ کو وہ چیز حاصل نہیں ہو گی جسے قربان کر کے انسان اللہ تعالیٰ کی رضا کو حاصل کیا کرتا ہے۔ اگر آپ دُنیوی حسنات کے لئے خلوصِ نیت کے ساتھ محنت نہیں کریں گے اور محنت کو اس کی انتہا تک نہیں پہنچائیں گے تو آپ کو دولت نہیں ملے گی۔

تاہم دُنیا میں ایک وہ انسان ہے جو دُنیا کے لئے دُنیا کماتا ہے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا ہے۔

ضَلَّ سَعْيُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا (الکھف۔۱۰۵) یعنی ان کی تمام تر کوشش اس دُنیوی زندگی کے لئے ہوتی ہے۔ ان کے مقابلے میں ایک وہ انسان ہے جو دین کی خاطر اور خدا تعالیٰ کی راہ میں اپنے اموال قربان کرنے کے لئے دُنیا کماتا ہے۔ اب جہاں تک دُنیا کے کمانے کا

سوال ہے۔ دونوں برابر ہیں لیکن جہاں تک دولت کے خرچ کرنے کا سوال ہے ان دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے کیونکہ ایک تو دُنیا کما کر زمینی بن گیا اور دوسرے نے دُنیا کمائی اور اس کے لئے آسمان کے دروازے کھول دیئے گئے۔ اس لئے ہر دو میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

پس رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً کی جب دُعا سکھائی گئی تو اس کے ایک معنے یہ ہوئے کہ ہم خدا سے یہ کہیں کہ اے خدا! ہم نے انتہائی محنت اور انتہائی تدبیر کر دی دُنیا کمانے کے لئے ہم نے اپنی تدبیر کو انتہا تک پہنچا دیا اور اسی طرح دعا کو بھی انتہا تک پہنچا دیا ہے اور اب اس مقام پر کھڑے ہو کر ہم یہ کہتے ہیں رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً کہ اے ہمارے رب! ہماری تدبیر اور ہماری دُعا تیرے فضل اور تیری رحمت کے بغیر نتیجہ نہیں پیدا کر سکتی اس لئے تو اپنے فضل سے اس کا نتیجہ پیدا کر اور اس دُنیا کی حسنات میں ہمیں شریک اور حصہ دار بنا اور ہمیں اس کا وارث قرار دے تا کہ ہم دُنیا کی نعمتوں کو حاصل کر کے اور پھر ان نعمتوں کو تیری راہ میں قربان کر کے اپنی روحانی اور اُخروی حسنات کے لئے سامان پیدا کریں۔

غرض حقیقت یہی ہے کہ دُنیا کی حسنات کے بغیر اُخروی حسنات مل نہیں سکتیں۔ میں اس کی ایک مثال دے دیتا ہوں تا کہ بچے بھی سمجھ جائیں۔ جو شخص دُنیا کی حسنات سے کلی طور پر محروم ہو جاتا ہے اس کے اوپر روحانی حکم لگتا ہی نہیں۔ اس کے متعلق لوگ کہہ دیتے ہیں کہ وہ پاگل ہے۔ اس لئے جہاں تک ایک مجنون کی دُنیوی حسنات کے بارے میں محنت اور کمائی کا تعلق ہے یا اس کی کوشش اور مجاہدہ کا سوال ہے وہ یہ کام کر ہی نہیں سکتا کیونکہ وہ پاگل ہے۔ اس لئے ہم یہ تو کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے جسم اور زندگی بخشی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو بھائی دیئے، اس کو دوست دیئے اور اس کے اردگرد خیال رکھنے والے انسان بنائے۔ چنانچہ وہ اس کا خیال رکھتے ہیں لیکن جہاں تک اس کی اپنی طاقتوں کا سوال ہے۔ اس کی کسی طاقت کے اوپر کوئی حکم نہیں چلا سکتا۔ وہ اپنے جنون میں کسی آدمی کو قتل کر دیتا ہے تو جج کہتا ہے کہ پاگل تھا اس سے قتل ہو گیا۔ ظلم ہو گیا لیکن اس کے اوپر کوئی الزام نہیں پس جو شخص مجنون ہے اس کے لئے دُنیوی حسنات کی کمائی کے دروازے بند ہیں اور چونکہ دُنیوی حسنات کی کمائی کے

دروازے اس کے لئے بند ہیں اسی لئے اُخروی حسنات کی کمائی کا دروازہ بھی اس کے لئے نہیں کھولا جائے گا۔

پس ہم ایسے شخص کو مرفوع القلم کہہ دیتے ہیں۔ ہم اس پر نہ نیکی کا حکم لگاتے ہیں اور نہ بدی کا، نہ ہم یہ کہتے ہیں کہ اس نے مالی قربانی دی اور نہ یہ کہ اُس نے مالی قربانی نہیں دی مثلاً اگر کوئی مجنون یا مرفوع القلم آدمی اپنے باپ کی تجوری کو کُھلا پائے اور وہاں سے دس ہزار روپے نکال کر جنون کی حالت میں کسی مستحق کو دے دے تو یہ نیکی شمار نہیں ہوگی کیونکہ اس نے جنون میں آ کر ایسا کیا ہے یہ نیکی نہیں جنون ہے۔

غرض یہ ایک حقیقت ہے اور قرآن کریم نے اسے بڑی وضاحت سے بیان کیا ہے کہ دُنیوی حسنات کے بغیر اُخروی حسنات کے سامان پیدا نہیں ہوتے، اس لئے کہ اُخروی حسنات کے سامان اللہ تعالیٰ کی راہ میں دُنیوی نعمتوں کو خرچ کرنے سے پیدا ہوتے ہیں۔ جس کے پاس نعمت ہی کوئی نہیں وہ خرچ بھی نہیں کر سکتا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ جو شخص نامرد ہے وہ پاک باز ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اُسے طاقت ہی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو چار قسم کی طاقتیں اور صلاحیتیں بخشی ہیں اور ان کے اوپر اُخروی نعمتوں کا انحصار ہے، یہ طاقتیں ماں ہیں اُخروی نعمتوں کے حصول کی، ان کے بغیر کوئی اُخروی نعمت نہیں مل سکتی۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ (البقرۃ: ۴) اور بعض دوسری آیتوں کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہت سی طاقتیں اور صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں اور ہر طاقت اور صلاحیت سے یہ مطالبہ فرمایا ہے کہ وہ میری راہ میں قربان ہو جائے۔ میں آپ کی بیان کردہ تفسیر کا مفہوم بیان کر رہا ہوں۔ الفاظ میرے اپنے ہیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عبارت تو بڑی حسین ہے مگر ہم عاجز بندے ہیں اور اپنا فرض ادا کر رہے ہیں۔

غرض ہر انسانی طاقت خدا تعالیٰ کی راہ میں خرچ ہونی چاہئے۔ اسی واسطے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اگر تم اپنے دُنیوی رشتوں کے ساتھ پیار خدا تعالیٰ کے لئے کرو

گے تو نیکی حاصل کرو گے مثلاً اگر تم خدا تعالیٰ کے پیار کے حصول کے لئے اپنی بیوی کے منہ میں پیار سے لقمہ ڈالو گے تو تمہیں اس کا ثواب مل جائے گا۔ اب تو ویسے ہی دُنیا عیش وعشرت میں پڑی ہوئی ہے۔ ان کو تو کوئی ثواب نہیں ملتا کیونکہ نیت کا فرق پڑ گیا ہے خدا تعالیٰ کی رضا حاصل کرنے کا جو مقصد ہے اس مقصد میں فرق پڑ گیا ہے۔ ایک آدمی نے اپنی عیش کے لئے ایک کام کیا۔ دوسرے نے خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے ایک کام کیا۔ ان دونوں میں بڑا فرق ہے۔

پس اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دُنیا میں جو بھی قوتیں اور صلاحیتیں عطا فرمائی ہیں۔ ان سب کو پوری طرح نشوونما دینا یعنی انتہائی محنت کرنا ہمارا فرض ہے اگر ہم محنت نہیں کرتے تو ہم دُنیا کی نگاہ میں ۱/۴ دولت دینے والے ہیں۔ اگر ہم نے ۱/۴ دولت دی اور خدا تعالیٰ کی نگاہ میں ہم صرف ۱/۸ دولت دینے والے ہیں تو اس کی شکل یہ بنے گی کہ اگر ہم نے دولت کی کمائی کے لئے اپنی طاقتوں کی نشوونما صرف پچاس فیصد کی اور پچاس فیصد جو نشوونما ہوئی اس کے نتیجہ میں اگر ہم نے سو روپے حاصل کئے اور اگر سو فیصد نشوونما ہوتی تو دو سو روپے حاصل کرتے۔ مگر ہم نے پچاس فیصد نشوونما کر کے اسی نسبت سے دُنیا کی دولت کمائی اور پچیس روپے یعنی ۱/۴ خدا کی راہ میں دے دیا لیکن خدا تعالیٰ نے جو قوتیں اور صلاحیتیں پیدا کی تھیں وہ تو دو سو روپے کمانے کی تھیں۔ اس لحاظ سے خدا تعالیٰ نے اپنی عطا کے مقابلے میں اگر یہ فرمایا کہ مثلاً ۱/۴ دو تو یہ پچاس روپے بنتے تھے لیکن آپ نے پچاس میں سے پچیس دیئے تو گویا باقی پچیس کی حد تک آپ نے اپنے کو نیکیوں سے محروم کر دیا۔

غرض اللہ تعالیٰ آپ سے جو پیار کرنا چاہتا ہے اور اپنی رضا کی جو جنتیں آپ کے لئے پیدا کرنا چاہتا ہے اس کے لئے یہ ضروری ہے کہ اس کی عطا کردہ تمام قوتوں اور صلاحیتوں کی صحیح اور کامل نشوونما ہو جس کا مطلب یہ ہے کہ محنت انتہائی طور پر کی جائے۔

چنانچہ لغت عربی میں یہ جو جہاد اور مجاہدہ کا لفظ آتا ہے اس کے معنے بھی یہی ہیں کہ انسان اتنی محنت کرے کہ اس کے قویٰ تھک جائیں اور وہ زبان حال سے یہ کہہ اُٹھیں کہ اس سے زیادہ کام نہیں کر سکتے۔

پس انتہائی محنت نام ہے پوری اور وسیع قوت کو ہر لحاظ سے خرچ کر دینے کا اور اسلام ہم سے اسی قسم کی محنت کا مطالبہ کرتا ہے اور اس سلسلہ میں یہ بات بھی یاد رکھنی چاہئے کہ محنت کے بغیر نہ دُنیا میں کوئی ترقی ہوتی ہے اور نہ دین میں محنت کے بغیر کوئی ترقی ہوتی ہے۔

خدا تعالیٰ نے ایک شخص کو اپنے مقربین کے گروہ میں شامل کرنا چاہا لیکن اُس نے اپنی جسمانی اور ذہنی اور اخلاقی اور روحانی قوتوں کی کمال نشوونما نہیں کی تو وہ دوسرے درجے میں چلا گیا یا تیسرے درجے میں چلا گیا تو گویا خود کو اُس نے کئی نیکیوں سے محروم کر دیا یا مثلاً ایک کند ذہن طالب علم ہے وہ سکول کے امتحان میں تھرڈ ڈویژن لیتا ہے تو (اے بچو!) ماسٹر کہے گا ۔الحمد للہ۔شکر ہے اللہ تعالیٰ نے فضل کیا پاس ہو گیا۔اس کے مقابلے میں ایک ذہین طالب علم ہے مگر اس نے پڑھائی کی طرف توجہ نہیں دی۔ وہ امتحان میں سیکنڈ ڈویژن لیتا ہے لیکن سیکنڈ ڈویژن لینے کے باوجود استاد کہتا ہے یہ بڑا ہی نالائق ہے۔ ہیڈ ماسٹر کہتا ہے یہ بہت ہی نالائق ہے۔اگر یہ محنت کرتا تو یونیورسٹی میں فرسٹ آ سکتا تھا لیکن اس نے اپنی طاقتوں اور صلاحیتوں کو ضائع کر دیا۔

اس طرح خدا تعالیٰ بھی اپنے بندوں سے فرمائے گا کہ میں نے تمہارے لئے کہیں آگے نکلنے کے لئے مواقع بہم پہنچائے تھے اور تمہارے اندر طاقتیں اور صلاحیتیں رکھی تھیں مگر تم نے میری اس عطا سے فائدہ نہیں اُٹھایا اور جس طور پر میں تم پر فضل کرنا چاہتا تھا۔اس طرح تم نے میرے فضلوں کو حاصل نہیں کیا۔

پس قربانیاں دینے کی ماں دراصل محنت شاقہ ہے اور جہاں تک جنتوں کے حصول کے لئے انسانی کوشش کا تعلق ہے انتہائی قربانی کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی فرمایا ہے تم تدبیر کو اس کی انتہا تک پہنچاؤ۔ پھر دعا کو اس کی انتہا تک پہنچاؤ اور پھر تدبیر اور دعا کے انتہائی مقام پر کھڑے ہو کر کہو اے خدا! ہم تجھ پر توکل کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ تیرے فضل کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا۔

پس یہ ہے ایک مسلمان کی ذہنیت۔ یہ ہے ایک مسلمان کی شان اور یہ ہے ایک احمدی کا طرّہ امتیاز۔ اس لئے تم محنت کرو، محنت کرو، محنت کرو، اور اے بچو تم بھی محنت کرو، پھر علم کے

میدان میں، اخلاق کے میدان میں اور ہدایت پانے اور دینے کے میدان میں تم کسی سے پیچھے نہیں رہو گے بلکہ آگے ہی آگے نکلتے چلے جاؤ گے میرے بھائی اور بزرگ بھی محنت کریں۔ وہ دُنیا کمائیں تو خدا تعالیٰ کی رضا کے حصول کے لئے اور پھر جو کمائیں وہ خدا تعالیٰ کے قدموں میں قربانی کی شکل میں لا رکھیں کیونکہ اسی میں ہماری راحت، اسی میں ہمارا سکون ہے اور یہی ہماری جنت ہے۔

ہمارا نیا مالی سال شروع ہو چکا ہے۔ اس میں بھی ہمارا قدم پیچھے نہیں بلکہ آگے بڑھنا چاہئے لیکن اگر ہمارا قدم آگے بڑھنا ہے تو ہمارے زمیندار کی زمین کی پیداوار زیادہ ہونی چاہئے۔ ہمارے مزدور کو مزدوری زیادہ ملنی چاہئے تاہم مزدوری زیادہ ملتی ہے فراست کی زیادتی کی وجہ سے مثلاً ایک شخص اپنی فراست اور توجہ اور دُعا کے نتیجہ میں اَن سکلڈ لیبر (UNSKILLED LABOUR) کے گروپ میں سے نکل کر سکلڈ لیبر میں داخل ہو جاتا ہے تو اس کی تنخواہ ڈیڑھ گنا زیادہ ہوتی ہے۔

اسی طرح مثلاً ایک ڈاکٹر ہے، وہ خلق خدا سے پیار کرنے کے نتیجہ میں زیادہ کما لیتا ہے کیونکہ ساٹھ روپے فیس رکھنے سے ڈاکٹر زیادہ نہیں کمایا کرتے جب کسی ڈاکٹر کی ساٹھ روپے فیس ہوتی ہے تو اس کے پاس دو چار مریض جاتے ہیں کیونکہ جس کے پاس بہت زیادہ مال و دولت ہوگی وہی ساٹھ روپے فیس دے سکتا ہے اور وہی اس کے پاس جائے گا۔ غریب تو نہیں جا سکتا۔

جرمنی میں ایک بوڑھے ڈاکٹر تھے جنہوں نے آپریشن کر کے میرے گلے سے غدود نکالے تھے اور یہ غالباً ۱۹۳۶ء کی سردیوں کی بات ہے۔ میں حیران ہو گیا۔ اُنہوں نے اتنے امیر ملک میں اپنی فیس صرف دو روپے رکھی ہوئی تھی مگر ان ساٹھ روپے فیس لینے والے ظالم ڈاکٹروں سے وہ زیادہ کما رہے تھے۔ کیونکہ وہ خدمت خلق کے جذبہ کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے فضل کو زیادہ حاصل کر رہے تھے۔ ان ساٹھ روپے فیس لینے والے ڈاکٹروں کے پاس تو دو تین مریض آتے ہیں۔ مگر ان کے پاس روزانہ سو دو سو مریض آتے تھے اور اس طرح روزانہ ۳۔۴ سو مارک کی کمائی تھی اُس زمانے میں روپے اور مارک میں تھوڑا سا فرق تھا۔ فرض کریں

اگر تین سو روپے یومیہ ہو تو بارہ ہزار مہینے کی آمد تھی لیکن جو حریص ڈاکٹر ہے، اس نے یہ ہنر تو اللہ تعالیٰ کے فضل سے حاصل کیا مگر خدمت خلق کے جذبہ سے محروم رہنے کی وجہ سے وہ دُنیوی لحاظ سے بھی ناکام ہوا۔ یہ اس کی اپنی غلطی ہے۔

میں کہتا ہوں اگر ہمارا احمدی ڈاکٹر خدمتِ خلق کے جذبہ سے پیار کے ساتھ اور اس تڑپ کے ساتھ کہ غریب سے غریب بیمار بھی آئے گا تو میں اُسے بہتر سے بہتر مشورہ دوں گا۔ اگر اس طرح وہ کام کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کے مال میں برکت ڈال دے گا۔

پس اگر آپ کا یہ خلوص، اگر آپ کا یہ جذبہ گذشتہ سال کی نسبت زیادہ اعلیٰ، زیادہ اچھا اور زیادہ حسین ہو جائے گا۔ تو اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی رحمت کو آپ پہلے سے زیادہ حاصل کریں گے۔

میں ڈاکٹروں کے متعلق بات کر رہا تھا۔ ہماری حکومت نے اب ڈاکٹروں پر کچھ پابندیاں لگائی ہیں۔ ایک احمدی ڈاکٹر میرے پاس آئے اور کہنے لگے کہ ان پابندیوں کی وجہ سے ہماری کمائی میں کمی واقع ہو جائے گی۔ میں نے کہا ٹھیک ہے آپ کی موجودہ ذہنیت کے مطابق کمی ہو جائے گی لیکن اگر آپ اپنی ذہنیت بدل دیں تو زیادتی ہو گی کمی نہیں ہو گی۔ ان کو میں نے یہی خدمت خلق کے جذبہ سے کام کرنے والی بات بتائی تو کہنے لگے یہ تو ٹھیک ہے اس سے تو ڈاکٹروں کی آمدنی میں زیادتی ہو گی۔ غرض ایک احمدی ڈاکٹر کو کس نے یہ کہا ہے کہ وہ زیادہ فیس لے۔ اُس نے تو خدا تعالیٰ کی رضا کو حاصل کرنا ہے۔ یہ ہے اس کی اصل فیس یہ تو اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ وہ اس دُنیا میں بھی مال دے دیتا ہے اور پھر کہتا ہے۔ اسے میری راہ میں خرچ کر دو۔

پس ہر احمدی ڈاکٹر کو ضمناً میں یہ کہہ دیتا ہوں کہ اس بات کی کوشش کرنی چاہئے کہ غریب سے غریب مریض بھی جسے اس کے طبی مشورہ کی ضرورت ہو، وہ اس کے طبی مشورہ سے اس لئے محروم نہ رہے کہ اس کی فیس زیادہ ہے۔ ہمارے اطباء نے پہلے زمانے میں یہ طریق رکھا ہوا تھا کہ وہ غریب آدمی سے فیس نہیں لیا کرتے تھے، یہاں تک کہ جو بہت زیادہ غریب ہوتا تھا اس سے دوائی کی قیمت بھی نہیں لیتے تھے لیکن جن لوگوں کو اللہ تعالیٰ نے سونا چاندی عطا کیا ہوتا

تھا وہ جب اُن سے علاج کروانے آتے تھے تو اُن سے کہتے تھے کہ نکالو پانچ ہزار یا دس ہزار یا پندرہ ہزار روپے یعنی جتنا جتنا کوئی امیر آدمی ہوتا تھا اس سے اتنے ہی زیادہ پیسے وصول کر لیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس رنگ میں ان کے اموال میں برکت بخشی تھی۔ ان کے دل میں ایک جذبہ تھا کہ ہم نے غریب آدمی کی خدمت کرنی ہے۔ ان کی یہ کوشش ہوتی تھی کہ کوئی غریب بیمار محض غربت کے نتیجہ میں ہماری مہارت اور ہنر سے (جو اللہ تعالیٰ کی عطا ہے) محروم نہ رہے۔

یہ تو میں نے احمدی ڈاکٹروں کا نام لے کر کہا ہے۔ میری مراد اس سے وہ پیشہ ہے جسے ایک احمدی نے اختیار کر رکھا ہے۔ اس کو ایک تو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ خدمتِ خلق کا جذبہ برقرار رہے۔ دوسرے محنت کو اس کی انتہا تک پہنچا دیا جائے۔

پس احباب جماعت کو چاہئے کہ اس نئے مالی سال میں اپنی محنت کو اپنی تدبیر کو اور اپنی دعا کو انتہا تک پہنچا دیں۔ پچھلے سال کی تدبیر اور دعا کے نتیجہ میں (اگر وہ مقبول ہوئی تو) آپ کو زیادہ تدبیر اور زیادہ دعا کرنے کی توفیق ملے گی۔ اس لئے تم اس توفیق سے فائدہ اُٹھاؤ۔ زیادہ تدبیر کرو، زیادہ دعائیں کرو اور اس چیز کو نہ بھولو کہ دُنیا کی جو نعمتیں ہیں اُن سے اللہ تعالیٰ نے ایک مسلمان کو محروم نہیں کیا بلکہ اُسے دُنیا کی ساری نعمتیں دے کر فرمایا کہ دیکھو! یہ اُخروی جنتوں کے دروازے کھولنے کی چابیاں ہیں ان سے فائدہ اُٹھاؤ اور اپنے لئے جنتوں کے سامان پیدا کرلو۔ اگر دُنیا کی نعمتوں سے ہم محروم کر دیئے جاتے تو پھر جنتوں کے دروازے کھولنے کے لئے مسلمان کے ہاتھ میں کوئی چابی نہ رہتی۔ اس واسطے اللہ تعالیٰ نے رہبانیت سے منع فرمایا ہے کیونکہ رہبانیت جس شکل میں اس وقت دُنیا میں رائج ہے وہ جنت کے دروازہ کو بند کرتی ہے۔ ویسے تو ذہنی طور پر ایک مسلمان کا یہی مقصد ہوتا ہے کہ دُنیا سے اس کا کوئی تعلق اور کوئی دلچسپی نہ ہو لیکن جیسا کہ دُنیا میں اس وقت رہبانیت رائج ہے۔ اس شکل میں یہ جنت کے دروازوں کو بند کرتی ہے جیسا کہ دُنیا کی ساری نعمتیں اگر ان کو اللہ تعالیٰ کے ارشادات اور احکام کے مطابق خرچ کیا جائے تو یہ جنت کے دروازوں کو کھولتی ہیں اس لئے ہم کہہ سکتے ہیں کہ دُنیوی حسنات جنت کی حسنات یا اُخروی زندگی کی حسنات کی جنتوں کے

دروازوں کو کھولنے کی چابی ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے فضل سے ہم میں سے ہر شخص کو جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے محبوب فرزند مہدی علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف منسوب ہونے والا ہے، اس کو دُنیا کی نعمتوں سے بھی سرفراز فرمائے اور دُنیا کی نعمتوں کو جنتوں کے دروازے کھولنے کی چابیاں بنانے کی بھی اسے توفیق عطا فرمائے۔ اللہ تعالیٰ کے فضل کے بغیر کچھ ہو نہیں سکتا۔ اور اس کے فضل سے ہر چیز ممکن ہے۔

(روزنامہ الفضل ربوہ ۳ ستمبر ۱۹۷۲ء صفحہ ۲ تا ۵)

❁❁❁